ابراہیمی قربانی کے قرآنی تصور کا بائبل سے موازنہ

(خطبہ عیدالاضحیہ فرمودہ ۶ ستمبر ۱۹۸۴ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٣﴾
لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ
الْعَتِيْقِ ﴿٣٤﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ
اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ
اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى
الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٦﴾ (الحج: ۳۳-۳۶)

پھر فرمایا:

آج قربانی کی عید ہے اور اس عید کے تعلق میں ایک پس منظر بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے جو پس منظر قربانیوں کا بیان فرمایا اس بیان کا اس بیان سے بہت بنیادی اختلاف ہے جو بائبل نے بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہود اور عیسائی نہ تو اس دن کو مناتے ہیں نہ اس دن سے منانے سے متعلق

کوئی روایات ان کے ہاں ملتی ہیں لیکن جہاں تک ذبیح اللہ کا تعلق ہے اور اس مقام کا تعلق ہے جس کا ان قربانیوں سے ایک پرانا رشتہ چلا آ رہا ہے، ان دونوں امور میں ان کی رائے قرآن کریم سے بالکل مختلف ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ قربانیوں کی عید جو تم منا رہے ہو اس کا تعلق بیت العتیق سے ہے یعنی خدا کا وہ سب سے پرانا گھر جسے اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لئے بندوں کو عطا فرمایا۔(الحج:۳۰) وہ کب بنا اس کی تاریخ ہمارے پاس محفوظ نہیں لیکن اس کی تجدید کی تاریخ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اس کی از سرِ نو تعمیر کی گئی۔ لیکن بیت العتیق کے لفظ بتاتے ہیں کہ وہ قدیم ترین گھر ہے Ancient ترجمہ ہے عتیق کا۔ اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو پہلا گھر بنایا تھا خدا کی عبادت کی خاطر یہ وہی گھر ہے۔ اس کے ساتھ قربانیوں کی ایک تاریخ منسلک ہے اور وہ تاریخ بہت دیر سے چلی آ رہی ہے اور اسلام سے پہلے بھی عربوں میں اس بیتِ عتیق کے ساتھ تعلق میں قربانیاں پیش کی جاتی تھیں اور حج منایا جاتا تھا۔

اس کے برعکس بائبل کا بیان یہ ہے کہ وہ گھر جس کے ساتھ قربانیوں کا تعلق ہے وہ یروشلم میں ایک مقدس پہاڑ ہے جس پر ہیکل موجود تھا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے اسحاقؑ کو وہاں لے جا کر قربانی کی کوشش کی تھی۔ (پیدائش باب ۲۲) ان دو بیانات میں ٹکراؤ ہے لیکن خود بائبل کے نسبتاً زیادہ انصاف پسند مفسرین اس بات کو خوب کھول کر بیان کر چکے ہیں کہ بائبل کا یہ بیان لازماً غلط ہے اور الحاقی ہے۔ Peaks اپنی کمنٹری میں لکھتا ہے کہ یہ کہنا کہ یروشلم میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت اسحاقؑ کو لے کر گئے تھے اور وہاں کوہ مقدس پر جہاں ایک ہیکل بھی موجود تھا وہاں قربانی کی کوشش کی تھی، صراحتاً و بداہتاً بالکل غلط ہے کیونکہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کا زمانہ تھا یعنی حضرت اسحاقؑ کی قربانی کرنے کا وقت بتایا جاتا ہے اس وقت یروشلم غیروں کے قبضہ میں تھا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہاں جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ نہ تاریخ سے ثابت ہے نہ عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ کو وہاں لے کر گئے۔

تو جہاں تک بیت کا تعلق ہے قرآنی بیان واضح طور پر اور صریحاً بالکل درست ثابت ہوتا ہے کہ وہ گھر یہ بہر حال نہیں ہے اور اس گھر سے روایات بھی کوئی وابستہ نہیں ہیں اس لئے جو گھر قرآن کریم

نے بیان فرمایا ہے جس سے دیرینہ تاریخی روایات وابستہ ہیں اس کے سوا اور کوئی گھر ہو نہیں سکتا۔

دوسرا اختلافی پہلو بیٹے سے متعلق ہے کہ کس بیٹے کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کیا اور کس طرح پیش کیا؟ ان دونوں امور میں قرآن کریم کا بائیبل سے بنیادی اختلاف ہے۔ بائیبل کے نزدیک حضرت اسحاقؑ کو قربانی کے لئے پیش کیا گیا اور قرآن کریم کے نزدیک **غلام حلیم** کو یعنی حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کے لئے پیش کیا گیا۔ قرآن کریم نے حضرت اسحاقؑ کا ذکر **غلام علیم** سے کیا ہے یعنی صاحبِ علم غلام بیٹا۔ اور حضرت اسماعیلؑ کا ذکر **غلام حلیم** سے کیا ہے۔ یعنی دونوں صفات میں فرق کر کے دونوں بیٹوں کی تعیین میں فرق کر کے دکھا دیا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے بائیبل کے اپنے بیانات میں ایسے بنیادی اختلافات موجود ہیں جن سے ان کی کہانی کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں۔

بائیبل کے تین مأ خذ ہیں جن سے بعد میں جوڑ توڑ کر مختلف مأ خذ کو ملا جلا کر وہ بائیبل تیار کی گئی جو آج کل عرف عام میں بائیبل کے نام سے مشہور ہے، اس میں بھی اختلافات ہیں اور مختلف وقتوں میں اس میں ترامیم کی جاتی رہیں ترجمہ کی اصلاح کے نام پر۔ ایک بائیبل وہ ہے جو جیہووا کا ذکر کرتی ہے خدا کے طور پر۔ اس کو 'J' مأ خذ کہتے ہیں چونکہ جیہووا کا پہلا حرف 'J' ہے اس لئے اس کو 'J' مأ خذ کہا جاتا ہے۔ دوسرا مأ خذ بائیبل کا وہ ہے جس میں خدا کی طرف جیہوا کی بجائے 'الوہیم' کے نام سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اسے ماخذ 'E' کہتے ہیں۔ اور ایک مأ خذ جو 'کاہنوں' کا ماخذ کہلاتا ہے اسے مأ خذ 'P' کہتے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا ذکر ہے بیٹا کون سا تھا پہلا تھا یا دوسرا تھا؟ اسحٰق نام کا ذکر تھا بھی کہ نہیں؟ ان تینوں مأ خذ میں اختلاف ہے۔ مثلاً 'J' مأ خذ کہیں بھی حضرت اسحاقؑ کا ذکر نہیں کرتا اور الوہیم والا مأ خذ، 'E' حضرت اسحٰقؑ کا نام داخل کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے عیسائی مصنفین اس کو الحاقی قرار دیتے ہیں خود۔ ان کے نزدیک اسحاقؑ کا ذکر اس مأ خذ میں نہیں تھا، یہ تخمینہ لگا کر یا اندازہ لگا کر اسحاقؑ کو داخل کیا گیا ہے اور پہلے مأ خذ سے بھی جہاں استنباط کیا جاتا ہے کہ حضرت اسحاقؑ مراد ہیں وہاں بھی تراجم میں اتنا فرق ہے کہ اس بیان کا غلط ہونا اسی سے ثابت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اصل لفظ جو عبرانی میں استعمال ہوا وہ ''یحدید'' تھا یعنی پہلا اور اکلوتا بیٹا۔ پہلا اور اکلوتا بیٹا اگر بائیبل

کے تفسیر کرنے والے یا بائبل کے پیچھے چلنے والے تسلیم کر لیتے تو پہلا بیٹا تو حضرت اسماعیلؑ تھے اس لئے ان کے لئے مشکل پیش آجاتی کہ جس قربانی کو اسماعیلؑ سے چھین کر اسحاقؑ کے ذمے لگانا چاہتے ہیں وہ قربانی واپس اسماعیلؑ کی طرف چلی جاتی ہے اس لئے انہوں نے ’’ولد یحد ید‘‘ کی بجائے ’’ولد یدید‘‘ لفظ پڑھ کر اس کا ترجمہ ’ولدِ یدید‘ والا کر دیا یعنی بہت پیارا اور محبوب بیٹا۔ حالانکہ واضح اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ بائبل میں عبرانی کے جو اصل الفاظ ہیں وہ ’ولدٌ یحد ید‘ ہیں نہ کہ ’ولدٌ یدید‘ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ’’یدید‘‘ لفظ اصل میں عربی کی بگڑی ہوئی صورت ہے جو ’’وُدٌ‘‘ سے نکلی ہے۔ وُدٌ کہتے ہیں محبت کو۔ اور یحد ید واحد سے یا احد سے نکلا ہے، اس کا مطلب ہے کہ ایک، اس کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ تو چونکہ لفظ ملتے جلتے تھے اور نیتیں بگڑی ہوئی تھیں اس لئے ان کے تراجم میں عملاً بد دیانتی سے کام لیا گیا اسلام کے ظہور کے بعد کیونکہ اس وقت اگر یہ دعویٰ یہود اور عیسائیوں کو تسلیم ہوتا کہ اصل قربانی والا بیٹا جس کا خاص طور پر ذکر ہے وہ حضرت اسماعیلؑ ہیں تو اسلام کا پس منظر نہایت ہی شاندار ان کو دکھائی دیتا اور عیسائیوں کے لئے یا یہود کے لئے اسلام کو قبول کرنا بہت آسان ہو جاتا اس لئے بضد انہوں نے ظہور اسلام کے بعد یہ بد دیانتیاں کی ہیں۔ یحد ید کو یدید میں بدلا، احد کو محبوب میں تبدیل کیا اور اس طرح زبردستی اس قربانی کو ایک بیٹے سے اٹھا کر دوسرے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی۔

تو جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیٹا کون سا تھا اس میں بھی بڑا اختلاف ہے اور بیٹا کون سا تھا صرف یہ بحث نہیں ہے، بیٹے کی قربانی کیسے لی گئی؟ یہ ایک بڑا بنیادی اختلاف ہے۔ چنانچہ بائبل کا بیان جب آپ پڑھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بائبل اس قربانی کو ایک زبردستی کی قربانی قرار دیتی ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا جو نقشہ کھینچتی ہے وہ انتہائی ظالمانہ اور خوفناک ہے۔ بائبل کے الفاظ یہ ہیں۔ پیدائش باب ۲۲ میں اس کا ذکر ہے:

’’تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا‘‘

اب یہاں لفظ اکلوتا بھی لازماً الحاقی ہے کیونکہ حضرت اسحاقؑ تو اکلوتے بیٹے نہیں تھے۔ یہ مسلّم ہے سب کو کہ حضرت اسماعیلؑ پہلے تھے تو حضرت اسحاقؑ کا اکلوتا ہونا بالکل غلط ہے۔

''جسے تو پیار کرتا ہے''

اب اکلوتا کے ساتھ جسے تو پیار کرتا ہے کا لفظ بھی غالباً وہی یدیدوالا لفظ شامل کر کے انہوں نے ترجمہ کرلیا ہے۔

''ساتھ لے کر موریا کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔ تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر اپنے گدھے پر چار جامہ کسا اور اپنے ساتھ دو جوانوں اور اپنے بیٹے اسحاق کو لیا اور سوختنی قربانی کے لئے لکڑیاں چیریں اور اٹھ کر اس جگہ کو جو خدا نے اسے بتائی تھی روانہ ہوا'' (پیدائش باب ۲۲: ۲،۳)

یعنی قطع نظر اس کے کہ یہ سارا قصہ ہی فرضی ہے جیسا کہ Peaks کو منٹری بتا رہی ہے کہ جہاں کہا جاتا ہے کہ ابراہیم گئے بیٹے کو لے کر وہ جگہ تو ان کے اختیار میں ہی نہیں تھی وہاں داخل ہونا ان کے لئے ناممکن تھا اور علاوہ ازیں قطعاً کوئی ثبوت کسی قسم کا تاریخ میں نہیں ملتا کہ اس جگہ کوئی ہیکل بھی موجود تھا۔ یہ سارا قصہ ہی فرضی ہے۔ لیکن پھر آگے دیکھئے کہ قربانی کس طرح کی؟

''وہاں ابراہام نے قربان گاہ بنائی اور اس پر لکڑیاں چنیں اور اپنے بیٹے اسحاق کو باندھا اور اسے قربان گاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھا اور ابراہام نے ہاتھ بڑھا کر چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔ تب خداوند کے فرشتے نے اسے آسمان سے پکارا کہ اے ابراہام! اے ابراہام! اس نے کہا کہ میں حاضر ہوں پھر اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا'' (پیدائش باب ۲۲: ۹-۱۲)

اس طرح گویا کہ وہ قربانی جو تھی اس سے بیٹے کی جان بچائی گئی اور اس کے بدلے پھر کیا ہوا؟

''ابراہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے تھے تب ابراہام نے جا کر اس مینڈھے کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختنی قربانی کے طور پر چڑھایا۔'' (پیدائش باب ۲۲: ۱۳)

یہاں بہت سی باتیں غلط ہیں لیکن اس وقت یہ بحث نہیں ہے کیونکہ اس سے مضمون پھیل

جائے گا اور اصل موضوع سے ہٹتا چلا جائے گا۔

جو قربانی کی طرز بیان کی گئی ہے اس میں واضح زبردستی بتائی گئی ہے اور نہایت ہی ظالمانہ قربانی بتائی گئی ہے کہ لکڑیوں کی چتا چن کے بیٹے کو دکھا کر کہ یہاں تجھے جلایا جائے گا، دو ساتھ جوان پکڑے اور انہوں نے زبردستی باندھا اس کے اوپر اور پھر وہ اپنے ہاتھ سے چھری پھیرنے لگے۔

قرآن کریم نے جو بیان کیا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ قرآن کریم کا نقشہ اس قربانی کے مقابل پر یہ ہے کہ ہرگز کسی قسم کی کوئی زبردستی نہیں کی گئی نہ ابراہیمؑ اس مزاج کے تھے۔ نہ کوئی بھی مذہب اس بات کا حق دیتا ہے کہ کسی دوسرے کی قربانی زبردستی کی جائے۔ چنانچہ قرآن کریم یہ نقشہ کھینچتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کو اس وقت ساتھ لیا جبکہ وہ ہوش میں تھا، نہ صرف باتیں کر سکتا تھا بلکہ فیصلے کر سکتا تھا یعنی بلوغت کو پہنچ گیا تھا یا پہنچ رہا تھا۔ اس وقت اس کو ساتھ لیا اور اکیلے تھے اور کوئی ساتھ نہیں تھا کیونکہ کسی زبردستی کی ضرورت کوئی نہیں تھی۔ کوئی چتا نہیں بنائی گئی بلکہ بیٹے سے پوچھا کہ میں نے ایک رؤیا میں دیکھا ہے اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تو مجھے بتا کہ تیرے نزدیک اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے کہ کیا تیرا ارادہ ہے؟

کیسی انسانی قدروں کو زندہ کرنے والا واقعہ ہے! باپ کو بتایا جاتا ہے کہ بیٹے کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ باپ اپنے بیٹے کے اوپر اپنی نیکی ٹھونستا نہیں ہے۔ اگر کسی غیر کی قربانی دینے کا حق خدا تعالیٰ دے سکتا تھا تو باپ کو دے سکتا تھا کہ بیٹے کی دے۔ اس سے زیادہ حق قائم نہیں ہو سکتا لیکن واضح رؤیا دیکھنے کے باوجود باپ بیٹے کو اختیار دے رہا ہے اور پوچھ رہا ہے اس سے کہ میں تو اپنے نفس کی قربانی کروں گا جب اگر تجھے ذبح کرونگا لیکن سوال یہ ہے کہ تیری رائے کیا ہے؟ جب تک تو ہاں نہیں کرے گا مجھے کوئی حق نہیں کہ میں تجھے ذبح کروں۔ کتنا عظیم الشان انسانی قدروں کو زندہ کیا گیا ہے اور کیسی عمدہ حفاظت کی گئی! اس پر بیٹا یہ جواب دیتا ہے اور اسی باپ کا تربیت یافتہ تھا۔ اِفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ اے میرے باپ! جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے ویسا کر سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ۔ میں بھی تیری ہی طرح ہوں تیری ہی اولاد ہوں۔ تو دیکھے گا کہ میں بھی صبر کرنے والوں میں سے ہوں۔

جب یہ جواب پایا تو پھر اوندھا لٹایا اس لئے کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ دیکھا

جا سکے۔ نہ باپ بیٹے کو دیکھ سکے کہ کیا تکلیف ہے؟ نہ بیٹا باپ کو دیکھ سکے۔ حضرت ابراہیمؑ کا جو نقشہ ہے لَحَلِيمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيبٌ یہ سارا نقشہ نہایت ہی عمدگی کے ساتھ اس واقعہ پر پورا اتر رہا ہے اور بہت ہی عظیم قربانی بن جاتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بتایا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا۔

قرآن کریم میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ وہ مینڈھا آسمان سے بھیجا گیا اور وہاں جھاڑیوں میں اٹکا ہوا پایا گیا۔ قرآن کریم تو یہ بتاتا ہے کہ اے ابراہیمؑ! تو نے اپنی رؤیا پہلے ہی پوری کر دی ہے۔ اس سے اس عظیم الشان واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے جس کے نتیجے میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو خانہ کعبہ کے قرب میں چھوڑ دیا تھا اور یہ خواب پہلے کی ہے۔ جس وقت یہ خواب آئی ہے اس وقت حضرت اسماعیلؑ بہت چھوٹے تھے اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق بہت غور کیا۔ دو خواہشیں بیک وقت پیدا ہوئیں۔ ایک یہ کہ میں اپنے بیٹے کو جس طرح کہا گیا ہے فوراً قربان کروں اور دیر نہ کروں۔ دوسرا یہ کہ الٰہی منشاء بھی مجھے معلوم ہوتا ہے، خدا کلام کرتا تھا وہ کیسے ممکن تھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے منشاء کا علم نہ ہو؟ اس کی رو سے کوئی انسان کسی دوسرے کی زبردستی قربانی نہیں لے سکتا۔ اِس کا کیا حل کیا جائے؟ پہلی صورت میں انہوں نے تعبیر کی اور تعبیر یہ کی کہ خدا کے لئے وقف کر دینا ہی قربانی ہے اس لئے خدا کے پہلے گھر میں جا کر میں اس کی ماں کو اور اس بیٹے کو چھوڑ آتا ہوں اور اگر یہ میری تعبیر درست ہے تو ایک پہلو سے میں جان کی قربانی بھی دے رہا ہوں گا کیونکہ وہاں کچھ کھانے کو نہیں ملتا، کچھ پینے کو نہیں ملتا اور ذبح کا ایک معنی پورا ہو جائے گا لیکن ہاتھ سے ذبح کرنا اور ایسے خطرناک حالات میں چھوڑنا جہاں جان کو خطرہ لاحق ہو ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن روح قربانی کی جو وقف ہے اولاد کا وہ بہر حال پوری طرح جیسے کہ اللہ کا ارشاد ہے اُس پر میں عمل کر دوں گا چنانچہ ایسا ہی کیا۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ دل میں یہ بات ہمیشہ کھٹکتی رہی کہ جیسے خدا نے کہا تھا ظاہری طور پر جو مجھے نظارہ دکھایا گیا تھا وہ تو میں نہیں کر سکا اور جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ زبردستی قربانی کی اجازت نہیں دیتا اس لئے انتظار کیا ہے جب تک حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عمر کو نہیں پہنچ گئے جس میں انسان اپنے حق میں یا اپنے خلاف فیصلے کر سکتا ہے۔ اس وقت تک آپ انتظار کرتے رہے اور جب وہ اس عمر کو پہنچے ہیں پھر

ساتھ لیا ہے اور علیحدہ گئے ہیں اور علیحدہ جا کر ان سے پوچھا ہے کہ بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟

کتنا نمایاں فرق ہے اس سارے تصور میں، واقعات کے بیان میں بھی اور قربانی کی روح کے اظہار میں بھی! اور تعجب ہے کہ بائبل پھر بھی یہ کہتی ہے کہ قرآن نے چوری کی ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ ساری کی ساری باتیں جو پرانے واقعات بیان ہوئے ہیں بائبل میں وہاں سے اخذ کر کے چوری کئے گئے ہیں۔ جتنی غلطیاں تمہاری تھیں ان میں سے ایک بھی اس واقعہ میں موجود نہیں۔ جتنے بھیانک تصورات مذہب کے تھے ان کا اشارہ بھی اس واقعہ میں موجود نہیں جو قرآن کریم بیان فرما رہا ہے اور پھر چوری کہتے ہو! یہ تو ویسی بات ہے جیسے کھوٹے سکے کسی کے چوری ہو گئے ہوں اور برآمدگی کے وقت سچے سکے نکل آئیں، چمکتے ہوئے، دمکتے ہوئے، ہیرے جواہرات کی طرح کھرے سکے نکلیں اور جس کی چوری کھوٹے سکوں کی ہوئی ہو وہ اعلان کر دے دیکھو میری چوری پکڑی گئی۔ کوئی سکہ بھی تو نہیں مل رہا ان سکوں سے جن کی چوری تم بتاتے ہو اور پھر بھی یہی اصرار ہے۔

بہت ہی نمایاں اور بنیادی فرق ہے ان دونوں بیانات میں۔ بیتِ عتیق بھی خانۂ کعبہ کے سوا اور کوئی ثابت نہیں ہے کیونکہ اس گھر کے سوا کسی اور کے ساتھ قربانیوں کا کوئی رواج وابستہ نہیں ہے۔ وہ بیٹا جس کو قربان کیا جانا تھا وہ بھی اسماعیلؑ کے سوا کوئی اور ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ قربانیاں تو اسماعیلؑ کے مسکن کے ساتھ وابستہ ہیں جہاں جا کر اس کو چھوڑا گیا تھا۔ اس ہیکل کے ساتھ کیوں وابستہ نہیں؟ وہاں کیوں نہ حج شروع ہو گیا؟ وہاں کیوں نہ دور دور سے لوگ جاتے اور ان یادوں کو تازہ کرنے کے لئے قربانیاں پیش کرتے؟ تو تاریخی شہادت، واقعاتی شہادت، بائبل کے اندرونی تضادات یہ تمام باتیں قطعی طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ قرآن کریم ہی کا بیان سچا ہے اور قرآن کریم جس روح کو پیش کرتا ہے وہی زندہ رہنے کے لائق ہے۔

اور جب معاملہ ایک دفعہ بگڑ جائے، جب ایک دفعہ کلام الٰہی سے زیادتی کی جائے تو پھر ہمیشہ کے لئے وہ قومیں ٹھوکر کھا جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ صرف ایک دفعہ زبردستی کا تصور نہیں پیدا ہوا۔ آغاز میں بھی زبردستی ہے قربانی کے معاملے میں اور انجام میں بھی زبردستی ہے۔ یہودیت انجام پذیر ہوئی ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر۔ جس طرح بائبل کی پہلی قربانی بہیمانہ اور زبردستی کی تھی اور وہ بھی بیٹے کی تھی اسی طرح آخری قربانی میں بھی ایک بیٹا بنایا گیا یعنی حضرت عیسیٰ

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کے بیٹے کے طور پر پیش کیا گیا اور وہاں بھی زبردستی کی چھری چلائی گئی۔ چنانچہ وہ بیٹا ساری رات روتا ہے، چیخیں مارتا ہے، جو اس کے ساتھی اونگھنے لگتے ہیں اُن کو ڈانتا ہے، ان سے شکوہ کرتا ہے کہ تم عجیب ہو! تمہیں ہوش نہیں ہے کہ کیا واقعہ ہونے والا ہے۔ اُٹھو روؤ گریہ وزاری کرو کہ کسی طرح خدا اس پیالے کو ٹال دے۔ لیکن اللہ کی چھری زبردستی کی چل جاتی ہے جس طرح ابراہیمؑ کی چھری زبردستی کی چلنے لگی تھی۔ اور جب سولی پر چڑھا دیا جاتا ہے تو آخری الفاظ اسکے دردناک یہ ہیں **ایلی ایلی لما سبقتانی** (متی باب ۲۷: ۴۶) کہ اے اللہ! صرف زبردستی ہی نہیں کر رہا تو بلکہ تُو تو وعدوں کا بھی جھوٹا ثابت ہو رہا ہے۔ تو نے تو مجھے میری دعاؤں کے بعد مجھے خوشخبری دیدی تھی کہ میں نے تیری دعاؤں کو قبول کر لیا اور یہ پیالہ ٹال دوں گا۔ اب تو مجھے چھوڑ چکا ہے اور مجھے چھوڑ کر کہیں جا رہا ہے۔

دونوں جگہ کے واقعات دراصل ایک ہی بنیادی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ کلام الٰہی سے زبردستی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جب بھی آپ کلامِ الٰہی کو بگاڑیں گے سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ایک غلطی دوسری غلطیوں پر منتج ہوگی۔ بنیادی اصول یہ تھا اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ خدا کو وہ قربانیاں قبول ہیں جو تم اپنے نفوس کی خود پیش کرتے ہو اور خدا تعالیٰ تمہیں یہ حق نہیں دیتا کہ زبردستی اس کو خوش کرنے کے لئے دوسروں کو قربان کرو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جب اس قربانی کی عملی تفسیر دنیا کو دکھائی گئی تو ہر طرف سے طوعی قربانیاں پیش کی جا رہی تھیں یعنی آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے غلاموں کی طرف سے۔ اور حج پر جو **لبیک اللّٰھم لبیک** کی آوازیں سنائی دیتی ہیں یہ بھی اسی طوعی قربانی کا منظر پیش کرتی ہیں کہ اے خدا! ہماری روحیں حاضر ہیں، ہماری جانیں حاضر ہیں، ہم قربان ہو رہے ہیں ہمیں یہ حق نہیں کہ دوسروں کو تیرے اوپر قربان کریں۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کی ساری زندگی میں کوئی واقعہ آپ کو نظر نہیں آئے گا کہ دوسروں کو زبردستی پکڑ کر قربان کیا گیا ہو۔ ہاں مسلمان قربان ہوئے ہیں، بکریوں کی طرح، بھیڑوں کی طرح ذبح ہوئے ہیں اور غیر زبردستی کر رہے تھے۔

تو نا صرف یہ کہ نظریاتی لحاظ سے قرآن کریم نے قربانی کی روح یہ بیان فرمائی کہ اپنی قربانی پیش کرو کسی اور کی قربانی خدا کے نام پر نہیں لینی تم نے۔ بلکہ عملی طور پر ایک ایسا پاکیزہ نقشہ کھینچ دیا کہ

زبردستی کرنے والے طوعی قربانی کرنے والوں سے بالکل ممتاز ہو گئے۔ ایک طرف مشرکین تھے اور خدا کا انکار کرنے والے تھے اور وہ یہود تھے جو زبردستی مسلمانوں کی قربانیاں لینا ہی خدا کو خوش کرنے کا طریق سمجھتے تھے اور دوسری طرف یہ مسلمان تھے جو خدا کی راہ میں از خود مٹنا قربانی کی روح سمجھتے تھے۔ چنانچہ جتنی قربانی اسلام کی طرف سے پیش کی گئی ہے وہ طوعی قربانی ہے اور جتنی قربانی لینے کی کوشش کی گئی ہے وہ زبردستی کی قربانی ہے۔

یہ تو ہیں تاریخی باتیں اب اس دنیا میں آجایئے، آج کے زمانے میں اتر آئیں۔ کتنا دردناک منظر ہے کہ جن مسلمانوں کو نظریاتی لحاظ سے بھی یہ سبق دیا گیا تھا کہ تم نے دوسرے کی قربانی نہیں لینی بلکہ اپنی قربانی پیش کرنی ہے۔ جن مسلمانوں کو عملی طور پر بھی ایسا عظیم الشان اور اتنا دردناک سبق دیا گیا تھا کہ خدا کے وہ پیارے جن سے زیادہ پیارے آج کے زمانے میں متصور نہیں ہو سکتے اُن کو اللہ قربانیوں کی بکریوں کی طرح پیش کر رہا تھا ظالموں کی چھریوں کے سامنے اور وہ ذبح کئے جا رہے تھے۔ اس کے بعد بھی سبق بھلا دیا گیا ہے۔ آج قربانی کا یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ دوسروں کو زبردستی قتل کرو ان کو مارو، ان کو لوٹو، ان کی جانیں تباہ کرو، ان کے بچے ذبح کرو، ان کے مکانوں کو آگیں لگا دو اور ان کو تمام انسانی حقوق سے محروم کر دو تب خدا خوش ہوگا اور خدا کی رضا اسی میں ہے جتنے مرزائی قتل کرو گے اتنی یقینی تمہاری جنت ہوتی چلی جائے گی۔ اسلام اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام پر جتنی عورتوں کی بے حرمتی کرو گے اتنا زیادہ تم خدا کے مقرب ہوتے چلے جاؤ گے، جتنے گھر جلاؤ گے اتنے ہی زیادہ تمہارے جنت میں گھر بنتے چلے جائیں گے، جتنے مال لوٹو گے اتنا تمہارے اموال میں برکت پڑے گی اور حلال ہوتے چلے جائیں گے تمہارے اموال۔ یہ وہ تصور ہے جس کو قرآن کریم نے پیش کیا تھا؟ جس کو آنحضرت ﷺ نے اپنے اور اپنے پیاروں کی قربانی کے ساتھ دنیا کی تاریخ پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا تھا؟ اپنے خون سے وہ تاریخ لکھی تھی جس کو قیامت تک کوئی دنیا کا انسان مٹا نہیں سکتا۔ غیر بھی جب وہ تاریخ پڑھتے ہیں تو سر جھکانا پڑتا ہے ان قربانیوں کے سامنے، ان کی عظمت کے سامنے۔ آج یہ نقشہ بالکل بدل گیا ہے۔

لیکن جہاں تک احمدیوں کا تعلق ہے اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم اسی نقشے پر ہیں۔ قربانیاں لینے والے نہ ہوتے تو ہم دینے والے کہاں سے بن جاتے؟ ہمیں تو یہ مواقع

میسر آئے تو ان کی جہالت کے نتیجے میں میسر آئے ہیں۔ان کی قسمت ان کے ساتھ ہے۔ان کا اسلام کا تصور ان کے ساتھ ہے۔مگر ہماری قسمت اور ہمارا مقدر جو چمکا ہے وہ قربانیاں دینے کے نتیجے میں چمکا ہے نہ کہ لینے کے نتیجے میں۔اس حقیقت پر اگر احمدیت ہمیشہ قائم رہی تو کوئی نہیں جو کبھی احمدیت کو مٹا سکتا ہو۔قربانیاں دینے والے کبھی مٹائے نہیں گئے۔ہمیشہ ان کے ناموں میں برکت پڑی،ان کے نفوس میں برکت پڑی۔ان کے اموال میں برکت پڑی،آسمان پر ستاروں کی طرح روشن ہو کر وہ چمکے۔لعل و جواہر سے زیادہ ان کی قیمتیں خدا کی نگاہ میں پڑیں۔وہ دنیا کا خلاصہ قرار دیئے گئے ہیں اور نئی دنیائیں اُن کے نام پر بنائی گئی ہیں۔

جب حضرت نوحؑ کے ساتھ چند آدمی کشتی میں سوار تھے تو عجیب کلامِ الٰہی ہے جو ان کو یہ بتا رہا تھا کہ تم چند نہیں ہو۔تم آباؤ اجداد ہو آنے والی امتوں کے۔نئی امتوں کی بنیادیں تم سے ڈالی جائیں گی۔پس میں جماعتِ احمدیہ سے کہتا ہوں کہ تم انجام نہیں ہو بلکہ تم آغاز ہو اور آغاز نَو ہو ان قربانیوں کا جن کو حضرتِ اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے خدا کے حضور پیش کیا۔اگر اس کو دوام بخشو گے اس روح کو تو تم آنے والی نسلوں کے آباؤ اجداد بنو گے۔تم سے نئی اُمتیں جاری کی جائیں گی۔تمہارے نام سے نسلوں کا آغاز ہوگا۔اس لئے ہمیشہ اس پر ثابت قدم رہنا اور اس قربانی کو کبھی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دینا۔تمہارے اندر بھی ابراہیمی سنتیں زندہ ہوں گی،تمہاری نسلوں میں سے اسماعیلی سنتیں پھوٹیں گی جس طرح چشمے پھوٹا کرتے ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں کی یادیں تمہاری اولادیں زندہ کرنے والی بنیں گی کیونکہ آج تم ان باتوں کو زندہ کر رہے ہو۔آج تم سے یہ اجاگر ہو رہی ہیں۔آج تمہاری وجہ سے ان قربانیوں کی عظمت اور روح زندہ ہے اس لئے یہ سودا گھاٹے والا سودا نہیں ہے۔یہ خوف کہ یہ قربانیاں تمہیں مٹا دیں گی یہ تو ایسا جاہلانہ خوف ہے کہ کسی احمدی کے تصور کے کنارے تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔کب مٹایا ہے ان قربانیوں کو دنیا کے ہاتھوں نے؟ وہ تو کوتاہ ہوتے ہیں۔ان کی پہنچ نہیں ہوتی ان قربانیوں کی عظمت تک۔یہ تو رفعتوں والی قربانیاں ہیں۔اہلِ زمین سفلی لوگ کیسے ان قربانیوں کو مٹا سکتے ہیں؟ نہ وہ قربانیاں مٹیں،نہ وہ قربانیاں کرنے والے مٹے۔ان کو خدا تعالیٰ نے ہمیشہ برکت دی ہے۔ہمیشہ عظمت کے ساتھ تاریخوں نے ان کو یاد رکھا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ دنیاوی غلبہ بھی ان کو نصیب ہوا ہے اور اخروی جنتوں کی خوشخبریاں بھی

انہیں کو عطا ہوئی ہیں۔

یہ ہے وہ عید کا سبق جو ہم نے قرآن سے سیکھا اور وہ ہے زبردستی قربانی کا لینے کا سبق جو ہمارے مخالفین نے خدا جانے کہاں سے سیکھا ہے۔ بائیبل سے پکڑا ہے یا ان طاغوتی مذاہب سے سیکھا ہے جہاں ہمیشہ سے یہ رواج چلا آرہا تھا کہ زبردستی کسی کو قربان کردو۔ **اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ اس قربانی کی روح کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جماعتِ احمدیہ کو ہمیشہ یہ توفیق بخشے کہ اس راہ پر قائم رہیں، ثباتِ قدم دکھائیں، حوصلے اور توکل کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ بہت سے خوش نصیب ہیں جو بدلے ہوئے حالات کو ضرور دیکھیں گے جن کے سامنے تاریکیوں کا دل پھاڑا جائے گا اور نور کے چشمے اس سے پھوٹیں گے۔ بہت سے خوش نصیب ہیں جو اس سے پہلے خدا کی راہ میں جان بھی دیں گے اور اپنے رب کا قرب ان کو نصیب ہوگا اور وہ اپنے آپ کو بہتر سمجھیں گے ان لوگوں سے جو ان خوشیوں کو دیکھنے کے لئے پیچھے چھوڑے گئے لیکن جو بھی صورت ہو فتح اور نصرت ہمارے مقدر میں ہے اور کوئی نہیں دنیا میں جو اس مقدر کو بدل سکے۔**

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:

پاکستان میں جو خدا کے نام پر قید کئے جا چکے ہیں اور جن پر مقدمے قائم ہیں ان کی تعداد سو سے زائد ہے اور جوں جوں لوگوں کو معلوم ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ذاتی بدلے لینے کا ایک سب سے اچھا یہ طریق ہے یہ تعداد بڑھتی رہی۔ لیکن کچھ لوگ کچھ خدا کا خوف رکھنے والے منصفین Bail پر چھوڑ بھی رہے ہیں اگرچہ مقدمے قائم ہیں۔ تو اس لحاظ سے سب سے بڑی خوش خبری آج کی یہ ہے کہ ہمارے معزز بھائی جو بہت ہی مظلومیت کی حالت میں دن گزار رہے تھے مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ، مکرم مولوی حکیم خورشید احمد صاحب، خواجہ عبد المجید صاحب اور مولوی عبد العزیز صاحب بھامبڑی اور وسیم انور اور مبارک احمد یہ چھ آدمی تھے۔ جن میں سے وسیم انور اور مبارک کو تو انتہائی دردناک تکلیفیں دی گئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ثبات قدم کی توفیق بخشی۔ ان کی دو دن پہلے Bail پر رہائی ہوگئی ہے اور آج یہ سارے اللہ کے فضل سے یہ عید اپنے گھروں میں کر رہے ہونگے اور اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان اور شکر ہے کہ وقتی طور پر سہی بہر حال اللہ آئندہ بھی حفاظت فرمائے ان کی اور ان کو ہر شر سے بچائے۔ ہمارے مظلوم بھائی اپنے گھروں میں واپس آگئے ہیں۔

عید کے بعد مصافحہ کا یہ ایک رواج رہا ہے قادیان میں اور عید الفطر پر میں نے یہ مصافحہ کیا بھی تھا لیکن عید الاضحیہ کے ساتھ ایک سنت وابستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ عید کے بعد جلد جلد اپنے گھروں میں واپس جانا چاہیئے اور اگر قربانی کا گوشت میسر ہو تو اسی گوشت کو بھون کر اس سے افطار کیا جائے روزہ تو اس لئے اس سنت میں مخل ہونا مناسب نہیں ہے اس لئے آج میں نے یہی بتایا تھا امام صاحب کو، مقامی امیر صاحب کو کہ عید الاضحیہ کے بعد مصافحہ مناسب نہیں ہوگا کیونکہ اس سے بہت تاخیر ہو جائے گی لوگوں کو گھروں کو لوٹنے میں۔ تاہم پچھلی دفعہ یہ شکایت آئی تھی مستورات کی طرف سے کہ مصافحہ نہ سہی ہمیں صرف آ کر السلام علیکم ہی کہہ دیتے۔ عید مبارک دے دیتے اس لئے ان کی طرف میں جا کر انہیں السلام علیکم کہوں گا اور عید مبارک دوں گا۔ اس کے بعد پھر سب دوست اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوں۔ یہ سنت ملحوظ رکھیں کہ جس راستے سے آئے ہیں واپسی پر اسے بدلیں اور آتے ہوئے اگر آپ نے تکبیرات نہیں کہیں تھیں۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ اِلاّ اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد"

تو جاتی دفعہ ضرور پڑھتے چلے جائیں بجائے باتیں کرنے کے، گپیں مارنے کے، تکبیر و تحمید اور توحید کا اعلان یہ کرتے ہوئے گھروں کو واپس لوٹیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو یہ عید مبارک فرمائے۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ کے اختتام پر حضور نے دعا کروائی۔